Lesson 2: Hijr (Ayaat 51- 99): Day 8 سُوْرَۃُ الحِجر کی تفسیر

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔

یعنی نبی کو پہلے سے ہی پتہ تھا کہ آج کی رات میرے خاندان اور رشتہ داروں کی زندگی کی آخری رات ہے۔ نبی کوئی غیروں میں سے نہیں ہوتے۔ تعلقات والے تو بن ہی چکے تھے۔ لوگ اپنے نہ بھی تھے، خون کے رشتے کا تو پہلے سے ہی پتہ تھا کے ان کی جڑ کٹنے والی ہے۔ "مَقْطُوْعٌ وہ چیز جو کاٹ کے پھینک دی گئی ہو، مفعول کا وزن اور مُصْبِحِيْنَ صبح سے پہلے۔ صبح زندگی کی علامت ہوتی ہے، لیکن ان کے لئے صبح زندگی کی شام ثابت ہوئی۔ بتا دیا گیا کہ یہ قوم ختم ہو جائے گی اور لفظ دَابِرَ آخری شخص کو کہتے ہیں۔ دُبَرٌ کہتے ہیں پشت کو، تو دَابِرَ وہ ہوتا ہے کسی قوم پر جب عذاب آئے، تو اس میں سے مرنے والا آخری شخص۔ ایک قوم پر عذاب آیا تھا۔ پوری قوم ہلاک کر دی گئی لیکن ان میں سے اس قوم کا ایک شخص اس وقت مکہ کی حد میں تھا۔ اور مکہ میں عذاب نہیں آنا تھا، جو نہی وہ شخص مکہ کی حد سے نکلا تو اس پہ عذاب آ گیا، تو اس کو دَابِرَ کہا گیا۔ تو دَابِرُ سے مراد آخری شخص۔ اور یہاں عذاب استحصال مراد ہے، یعنی جڑیں کٹ گئیں۔ اب یہاں قوم کا انجام پہلے بتایا۔

اب آگے کہانی پھر چل رہی ہے، ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے بات ختم ہو گئی ہو، لیکن حضرت لوط کو فرشتوں نے آتے ہی سارا پلین دے دیا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کی قوم تہس نہس ہو جائے گی۔ کیا نبی کو خوشی ہوئی ہو گی۔ اللہ نہ کرے ہم میں سے کسی کو پتا چل جائے کہ ہمارے کسی پیارے کی

موت کا وقت قریب ہے اور جن پیاروں کو ہم برائی سے نہیں روکتے۔ اگر ایسے ہی اللہ نہ کرے کسی کی موت لکھی ہو جو عذاب کی ہو تو کیا ہمارا حال خراب نہیں ہو گا۔ اللہ تعالی نبیوں کو اتنا آزماتا تھا۔ حضرت لوط کہہ سکتے تھے کہ دیکھو میں نے اتنی محنت کی، میں نبی ہوں، کچھ میرے واسطے سے میرے وسیلے سے ان کو بچالو۔

آپ کو کوئی نبی اللہ کے مقابلے میں بولتے ہوئے نہیں نظر آئیں گے۔ یہی ایمان والوں کا دل ہونا چاہیے۔ آپ لوگوں کو اللہ کی بات بتانے کی بھرپور کوشش کریں۔ ان کے خلاف کوئی فتویٰ نہ دیں، لیکن ان ساری باتوں کے بعد اگر وہ نہیں مانتے، تو پھر ان سے بے نیاز ہو جائیں۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا حضرت لوط کے ساتھ فرشتوں کی یہ ساری بات چیت ہو رہی تھی۔ ان کی بیوی نے اپنے لوگوں کو خبر دے دی کہ گھر میں بڑے خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں اور اس خبر کو سنتے ہیں آیت 67

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے

خوشی کس بات کی تھی کہ چلو نئے شکار مل گے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۙ ﴿۶۸﴾ (لوطؑ) نے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا

یعنی میرے مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کرو کیونکہ مہمان کی عزت کرنا یہ انسان کے اوپر لازم ہوتا ہے۔ تو دیکھو تم میرے مہمانوں کو رسوا نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾ اور خدا سے ڈرو۔ اور میری بے آبروئی نہ کیجو

اور مجھے بے آبرو نہ کرو کتنی بے بسی دکھ رہی ہے حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے بھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ وہاں انہوں نے اللہ کی پناہ لے لی تھی قوم کا جواب سُنیں؛

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت وطرفداری) سے منع نہیں کیا۔

اور اُردو میں اسکو کہتے ہیں تم سب کے ٹھیکے دار نہیں ہو۔ تم نے ٹھیکہ نہیں لیا ہوا سب کی ہدایت کا، یہ کہہ لیجئے۔ لفظ تَفْضَحُوْنِ، ف، ض، ح، اس کا روٹ ہے۔ کسی کے عیب بیان کرنا، دوسروں کے سامنے ذلیل کرنا اور نَنْهَكَ کا لفظ 'نہیں' سے ہے، ن، ھ، ی، روکنے کے معانوں میں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو یہ ساری باتیں قوم کس 'مان' میں کہہ رہی ہے، اس کو تھوڑا آگے جا کے دیکھیں گے۔ کہنے لگے کہ جب ہم نے کہا ہم اپنی مرضی کا کام کریں گے، تو تم ہمیں روکنے والے کون ہوتے ہو۔

یہاں آپ کو قومِ لوط کا ایک خود ساختہ فعل دکھے گا اور وہ کیا ہے "ہم جو چاہیں کریں تم ہمیں روک نہیں سکتے"۔ آج بھی لوگ کیا کہتے ہیں کہ میری زندگی کا اپنا طریقہ ہے، جیسا چاہو جیو۔ آج بھی بالکل یہی نعرہ ہمیں اُن قوموں کا ملتا ہے جنہوں نے ہم جنسی کو عام کیا۔ ہم نے پیچھے جو آدم اور ابلیس کا قصہ پڑھا کہ کیسے لوگوں نے ڈارون کا نام لے کر انسان کو بندروں کی اولاد، پھر بندروں سے جانوروں کی اولاد، تو جانور بھی کپڑے نہیں پہنتے تو تم بھی نہ پہنو۔ تم نے کیا یہ شادی کا تکلف رکھا ہوا ہے اور کہتے ہیں بندروں میں سے بھی ایک خاص قسم کا بندر ہے جس کی مثالیں آج لوگوں کو دے دے کر یہ پیش کیا جا رہا ہے کے یہ ہم جنس پرستی انسان کے جینز میں ہے۔ آٹھویں پارے کے پہلے سبق میں یہ باتیں سنائیں تھی کہ یہ خود وہ کہہ چکے ہیں کہ یہ فور جری تھی۔

لیکن لوگوں نے اس کو اس لیے عام کیا کیونکہ اس سے نفس کو بہت فائدہ ہو رہا تھا۔ تو آج اسی بات کو لیکر کہتے ہیں کہ اس کو کبھی برا نہ کہو کیونکہ جیسے کسی کو بخار ہو جاتا ہے تو وہ مجبور ہے، اس طرح کسی کے جینز میں ہم جنسیت ہو تو اس کو مجبور سمجھو۔ یہ بات یہاں لگ رہی ہے

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت وطرفداری) سے منع نہیں کیا۔

اللہ تعالی کہتے ہیں اچھا ایسے لوگ اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگ گئے ہیں تو ان کو ان کا فیصلہ سنا دو۔ حضرت لوط کی پوزیشن دیکھیں قوم کے لوگ اتنے سرکش ہو چکے ہیں کہ آخر میں یہ کہتے ہیں کے عقل کرو ہوش کرو؛

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ (انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کر لو)۔

لفظ بَنٰتِيْٓ سے بعض کہتے ہیں کہ یہ بَنٰتِيْٓ کہہ کر اپنی بیٹیوں کی بات کی تو اس کی دو تین مختلف باتیں ہیں۔ پہلی بات کہ قوم کی بیٹیاں نبی کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں اور دوسری بات کہتے ہیں کہ ان کی بے بسی اتنی کہ ان کی غنڈا گردی کو روکنے کے لیے کہا کہ تم میری بیٹیوں سے نکاح کر لو۔ اور فطرت کے رستے پہ چلو ایسا نہ کرو، مراد یہ کے اللہ نے جو فطرت کا راستہ رکھا ہے اسی کو تم لے کر چلو۔ حضرت لوط علیہ السلام کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ کوئی ایمان نہیں لایا۔ ان کے ماں باپ نہیں تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے گھر میں پلے بڑھے تھے۔ اصل میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دی جا رہی ہیں۔ یہ

ساری نسبتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھیں۔ آپؐ کا بھی کوئی بیٹا نہیں تھا۔ آپؐ بھی اپنے چچا کے گھر پلے تھے۔ آپؐ کے باپ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اللہ تعالی کہتے ہیں فکر نہ کرو آپ کی تو بیوی اتنی پیاری ہے۔ لوطؑ کے ساتھ تو ان کی بیوی بھی نہیں تھی۔ کس طرح اللہ تعالی نے یہاں سے لوطؑ کو نکالا تھا۔ پہلے سدوم کی طرف بھیجا بعد میں دوسری طرف بھیجا۔ اتنے قیمتی تھے لوطؑ لیکن قوم نے ان کی قدر نہیں کی۔ کس طرح ان کے آگے بیچارگی اور مسکینی کی تصویر بنے ہوئے ہیں کہ میری بیٹیوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اب یہاں آیت بہتر (72) میں اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ رہے ہیں؛

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾

(اے محمد) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔

قسم ہے آپ کی جان کی، کس کی جان کی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی۔ جیسے کسی کو کہانی سناتے ہوئے آپ کہیں میرا پیارا بچہ بیٹا مجھے تم سے بہت پیارا ہے۔ کہانی چل رہی ہے ابھی بھی لیکن اللہ نے نبیؐ کی قسم کھائی اور اللہ جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں آتا ہے کہ اپنی ماؤں اپنے باپوں اور بیٹوں اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی بھی تب کھاؤ جب سچے ہو اس کے علاوہ نہیں کھاؤ صحیح بخاری اور مسلم میں آتا ہے حضرت عمر کو باپ کی قسم کھاتا دیکھا تو پکارا آپ نے فرمایا کے خبردار باپوں کی قسم نہ کھاؤ اگر حلف لینا ہو یعنی بات سچی ہو تو صرف اللہ کی قسم کھا سکتے ہو۔

تو اللہ اپنے نبی کی یہ بڑی یو نیک بات ہے کہ آپ کی جان کی قسم وہ لوگ اس وقت اپنی مستی میں بالکل اندھے ہو چکے تھے۔

لفظ یَعۡمَهُوۡنَ، عَمٰی ُ ن سے ہے۔ دو لفظ ہیں ایک ہے اُمیُن آنکھوں کا اندھا، اور یہ ہے عُمہُن دل کا اندھا۔ بصیرت سے دور، ایسے لوگ جن کے دلوں میں بھلائی برائی کا بالکل کچھ فرق ہی نہ رہے۔ کہا وہ تو اندھے ہو چکے تھے ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ہم ہیں کیا اور ہمارے پاس کیا ہے۔ لہذا؛

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ۙ﴿۷۳﴾ سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا۔

الصَّيۡحَةُ سخت پُکار، چیخ، شور۔ آج سائنس نے بتا دیا کہ اگر کسی انسان کو 105 ڈیسی مل سے اوپر کی آواز آئے تو کان کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔۔ اور اس قوم کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ کان پھوڑنے والی آواز آئی اور مُشۡرِقِيۡنَ یعنی سورج کے نکلتے ہی ان کی زندگی کے چراغ ختم ہو گئے اکثر عذاب جو ہوتا ہے وہ صبح کے وقت آتا ہے۔ زلزلے بھی اکثر اسی وقت آتے ہیں۔ سورج نکلتا ہے تو کام کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے زندگی کو ضائع کیا تھا ان کو اسی وقت سلا دیا جاتا ہے۔ مُشرِق کہتے ہیں وہ لوگ جن پر سورج نکل رہا ہو، مراد یہ کہ لوگوں کے سامنے سورج نکل رہا ہوتا ہے کیا کیا؛

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ؕ﴿۷۴﴾

اور ہم نے اس شہر کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔ اور ان پر کھنگر کی پتھریاں برسائیں۔

مطلب یہ کہ چھتیں زمین پر آ گئیں اور زمین اوپر آ گئی۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل نے اپنا پر ان کی بستیوں کے نیچے یوں ڈالا کہ ان کو اوپر لے گئے۔ جب اوپر چلے گئے تو وہاں سے جا کے یوں پلٹ دیا جیسے روٹی کو توے پہ ڈال کے پھر پلٹ دیتے ہیں، کہ نیچے کے اوپر اور اوپر کے نیچے آ گئے۔ آسمانوں پہ اتنے اوپر گئے کہ مرغوں کی آوازیں آسمانوں میں سنی گئیں اور جب اوپر سے جا کے نیچے ڈال دیا تو

ساتھ ہی وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ؕ پھر ہم نے برسادی ان پر سوکھی مٹی کے کنکر۔ کسی قوم پر اس طرح کا عذاب آیا کہ اوپر سے نیچے زلزلہ اور زلزلے کے بعد ساتھ ہی آسمانوں سے پتھر برسنے لگے۔ تو وہ چیزیں جو خراب ہوئی تھیں اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی تو سب چیزیں اندر دب گئیں۔ اللہ اکبر سِجِّيۡلٍ، یہ اصل میں سنگ اور گل تھا۔ یہ فارسی کے لفظ ہیں، سنگ پتھر کو گِل مٹی کو کہتے ہیں۔ تو سنگ مٹی کے پتھر۔ عربی میں جب آیا تو عربی میں چونکہ گاف نہیں ہوتا تو جی میں ڈھل گئی سِجِّيۡلٍ ہو گیا مراد ہے پکی ہوئی مٹی کے وہ پتھر جو ان پر برسائے گئے۔ بُلٹس کی طرح ان پر آئے اور ان کو گرا کے چلے گئے۔ اللہ اکبر۔

کہتے ہیں جب اوپر سے کوئی چیز گرائی جاتی ہے تو اس کا اتنا پریشر ہوتا ہے نیچے سے Gravity اسکو کھینچتی ہے تو چھوٹی سی چیز بھی بہت زیادہ لگتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایم سی ٹاور سے اگر ایک پینی اوپر سے گرائی جائے اور نیچے کھڑے شخص کے اوپر وہ گرے، تو اس کے پریشر کی وجہ سے وہ شخص مر سکتا ہے۔ یہ گریوٹی 1.8 ہے۔ اگر یہ کم کر دی جائے تو سارا دن ریت کے ذرے اوپر اٹھتے رہیں۔ یہ مٹی اس طرح اڑتی پھرے، یہ گریوٹی ہے جو اس کو زمین پر بٹھاتی ہے۔ ہمیں تو پتہ ہی نہیں ہے ہم تو فارغ بیٹھے ہیں۔ اللہ کائنات کے کتنے کام اس وقت بھی ہمارے لئے کرا رہا ہے۔ آسمانوں سے ان پر پتھر برسے اور اللہ نے ان کو مٹی میں ڈال دیا۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے

یہ بڑا خوبصورت جملہ ہے مُتَوَسِّمِ ۔ وسم سے ہے۔ و، س، م، اہل فراست مراد ہیں، سیما، سورۃ فتح میں آتا ہے۔ 'علامت' کو کہتے ہیں۔ مطلب نشانی، پہچان، مراد کیا ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں کے حالات

کو دیکھ کر عبرت لیں۔ اگر کسی نے کوئی کام کیا اور اس کو ڈانٹ پڑی تو آپ وہ کام کبھی نہیں کریں گے اور اگر بے وقوف ہیں تو وہی کام کریں گے۔ متوسم وہ لوگ جو دوسروں کے حالات سے سبق لیتے ہیں۔ جو کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں، تاریخ کے واقعات، انسان کے نفس کے اندر جو اللہ کی چھپی ہوئی نشانیاں ہیں اور قرآن کی نشانیوں سے، حقیقت کو پہنچ جاتے ہیں۔ یعنی متوسیمین تو بعض کہتے ہیں یہ س،م،، وسے بھی ہے۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔

اِس سے مراد ہے، قومِ لوط کی یہ بستیاں سیدھی کیسے تھیں اور کونسی بستیاں تھیں، جو یمن اور شام کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی تھیں۔ یمن بحیرہ عرب، اور شام کی طرف بحیرۂ روم ہے۔ دو دریاؤں کے بیچ میں جو سڑک آتی ہے، قوم لوط کی بستی بالکل ان کے اوپر تھی۔ اسی طرح جس طرح مشرقی ممالک ہیں مثلاً ہندُوستان، چین، جاوا، ملایا، ادھر سے یورپ جانے کے لیے جو سامان آتا تھا وہ یمن کے راستے سے اتارا جاتا تھا اور اسی راستے سے پھر تجارتی قافلے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچائے جاتے تھے۔ تو یہ بستی بالکل ادھر تھی۔ اس وقت نہر سویز نہیں بنی تھی۔ یہ بالکل مشرق اور مغرب کے راستے کو ملانے والے راستے پر یہ قومِ لوط موجود تھی۔

نوٹ کریں تو یہ جگہ بالکل وہی بنتی ہے جہاں آج ہم بیٹھے ہوئے ہیں یعنی ایسٹ اور امریکہ کے درمیان کی کوئی جگہ تھی۔ علامہ اقبال کی شاعری پڑھیں تو یورپ سے جو فتنے اور جو چیزیں اُٹھیں اس کو پڑھیں اور آج بھی دیکھیں کہ فتنے پھیلتے تو پوری دنیا میں ہیں لیکن اُبھرتے زیادہ تر اسی سرزمین سے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔

ایمان ہو گا تو بات سمجھ آئے گی۔ آپ نے ایک سٹریچ میں بات کو سنا اور پڑھا۔ اب قوم تو ختم ہو گئی۔ زلزلے، آتش فشاں پھٹے، لاوے نکلے اور نوکیلے پتھر ان پر پڑے۔ آج بھی وہ علاقہ ایسے ہی ہے اور آج تک وہاں ان علاقوں میں مرغی نے انڈہ بھی نہیں دیا۔ اس جگہ کی زمین پر آج تک کبھی کوئی سبزہ نہیں اُگا۔ نوکیلے پتھر ہیں اور لاوے کی طرح سے وہاں سے چیزیں نکلتی ہیں۔ اور اللہ تعالی کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی چیزوں کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادی۔ ہم ہڑپہ، موہنجو داڑو جاتے ہیں اور ایسی چیزوں کو لے کر ہم کیا سوچتے ہیں؟ کہ یہ سارے بہت اچھے ہونگے۔

بہت کم لوگ ہیں جو آثار قدیمہ کو آج تباہ شدہ بستیاں جانیں۔ ہم نے اس کو بھی کلچر کے نام سے محفوظ کیا، وہاں ڈانسنگ ڈال اور کچھ ایسی چیزیں رکھ کے اور بُت پرستی کی۔ جو بھی بستیاں اور جہاں سے کوئی ایسی چیزیں نکلتی ہیں، جب بھی کھدائی ہوتی ہے وہاں سے بُت نکلتے ہیں۔ اٹلی میں جب ایک جگہ پر کھدائی کی گئی تو اندر سے ایسی حالت میں لاشیں نکلیں کہ وہ زنا میں مبتلا تھے اور اس لاوے نے ان کو ایسے محفوظ کیا جیسے آج کے دور میں سٹیچوز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیئے کہ اللہ ہمیں ایسے بُرے عمل سے بچائے۔ آمین

اب اس قوم کا ذکر ہے جس کے نام پر اس سورت کا نام سورہ حجر ہے۔

وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ۙ﴿۷۸﴾

اور بَن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب کے لوگ) بھی گنہگار تھے۔

اَلْاَیْکَةِ کے لفظ کو آپ دو تین طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔ ایکہ والے بھی ظالم تھے, بَن والے بھی ظالم تھے، اور جنگل والے بھی ظالم تھے۔ اصحاب الایکہ سے مراد اہل مدین ہے۔ قومِ شعیب کا یہ دوسرا نام ہے۔ کسی جگہ رہتے تھے تو وہاں جنگل ہونگے، اس لئے اس سے اس قوم کو تشبیہ دی گئی۔ حضرت شعیبؑ کی قوم تھی۔ یہاں اس قوم کا ذکر تو ہوا لیکن حضرت شعیبؑ کا نام نہیں آیا۔ اس لیے کہ یہاں سب قوموں کا ذکر انباء الرسُل کی شکل میں آرہا ہے، نہ کہ نبیوں کی کہانی کی صورت میں۔ انہوں نے کیا کیا، وہ پیچھے ہم پڑھ چکے ہیں سورۃ اعراف میں سورۃ یونس میں اور سورۃ ھود میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ تو ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا۔ اور یہ دونوں شہر کھلے رستے پر (موجود) ہیں۔

تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ لفظ انتقام ہم اردو میں بھی بولتے ہیں۔ ن، ق، م اس کا روٹ ہے۔ نَقِمَ ہوتا ہے کسی کے نقشے قدم پر چلنا۔ برے عمل کے نقشے قدم پر چلتے ہوئے جو پکڑ آتی ہے اُسے انتقام کہتے ہیں۔ یعنی لفظ انتقام کے اندر ایک معنی چھپا ہوا ہے، کہ لوگ جو کریں گے وہی بھریں گے۔ اور جب اللہ کے لیے میں یہ لفظ پڑھتی ہو تو دل ہل جاتا ہے، کہ اللہ کی ذات جب کسی سے انتقام لے تو وہ کیسا انتقام ہو گا۔

اللہ تعالیٰ عمومی طور پر رحیم ہے اور اللہ تعالی کی عمومی صفت الرَّحمٰن ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو آپ اپنے بندوں کی زبان میں کہیں کہ عام طور پر بہت خوش رہتے ہیں۔ لیکن جب لوگ اللہ کو غصہ دلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات پر عمل نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کا انتقام اُبھرتا ہے۔ یہ انتقام قوموں کے ساتھ ایک دن میں نہیں ہوا، کتنے سالوں کی کوششوں کے بعد جب نبی کی ناقدری کرتے

ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ؕ دونوں بستیاں بھی کھُلے راستے پر واقع تھیں۔ پیچھے حضرت لوطؑ کی بستی کی بات تھی تو یہاں قومِ مدین کی بات تھی۔ جس شاہراہ جس کا ذکر اوپر ہوا، یہ جگہ اصحاب حجر کے گھروں کے بھی پاس تھی۔ تو اہل مدین کی آبادیاں اور قوم لوط کی بستیاں دونوں بالکل ہائی وے پہ تھیں۔ یہ جو لفظ ہے لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ؕ کونسا امام ہے؟ جس کو میں اور آپ انگلش میں "ہائی وے روڈ" کہتے ہیں۔ یہاں آپ ہائی روڈ کہتے ہیں اور امریکہ میں ہائی وے کہتے ہیں۔ پاکستان میں بڑی بڑی روڈز کو شاہراہ کہتے ہیں۔ شاہراہ قائد، شاہراہ ریشم تو گویا کہ یہ کوئی چھوٹے موٹے، دَبے ہوئے علاقے نہیں تھے۔ یہ بستیاں بہت بڑی بڑی کھلی جگہوں پر تھیں۔ اللہ نے ان کو مکمل آزادی دی ہوئی تھی لیکن انہوں نے خود ہی ان چیزوں کا غیر ضروری استعمال کر کے اسکا ناجائز فائدہ لیا، تو نتیجہ کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا کر راکھ کر دیا۔

یہاں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا مزاج سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے لوگوں کو کام کرنے کے مکمل مواقع دیتے ہیں۔ یہ لفظ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ؕ کو صرف سڑک پر واقع ہونے کے لیے نہ لیجئے، بلکہ آج کی زبان میں کہہ لیجئے کہ یہ ایک بہت اُبھرتی ہوئی قوت تھی۔ سپر پاور تھی، بڑی طاقت تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو سب کچھ دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو زیادہ دے دیتے ہیں تو وہ خود کو اللہ سے بھی بے نیاز سمجھنے لگتے ہیں۔ قوم لوط ہو یا قومِ مدین ہو، ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ذرائع دیئے۔ لیکن دونوں نے اس کا مس یوز کیا۔ دونوں کے ساتھ فَانْتَقَمْنَا ہم نے انتقام لیا۔ اللہ تعالیٰ کا انتقام کیا تھا کہ جب ان دونوں قوموں میں کسی قسم کی کوئی خیر کی رمق باقی نہ رہی، تو اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۚ ﴿۱۳﴾ تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ اِنَّ رَبَّكَ

لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ ہر انسان کے دل میں اللہ تعالی کی معرفت کا ایک "پائلٹ فلیم ہوتا" ہے، چولہا جلانے سے پہلے پائلٹ جلاتے ہیں۔ جب انسان اچھے اعمال کرتا ہے تو اس سے یہ معرفت یقین میں بدلتی ہے اور اس کی پوری زندگی خداروی ہو جاتی ہیں اور خاص طور پر جب وقت کا نبی اس کے اندر اس کی مدد کر رہا ہو تو سونے پہ سہاگہ، لیکن جب لوگ بداعمالیاں کرنے لگ جائیں تو ایک وقت آتا ہے کہ وہ پائلٹ فلیم بھی بجھ جاتا ہے اور یہ پائلٹ فلیم کا بجھنا گمراہیوں کے کھڈوں میں گرنے کے برابر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی بھی نہ تو خود اللہ کی بات مانتے ہیں اور نہ نبیوں کو اللہ کی بات ماننے دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تھوڑے نہیں تھے روایت میں آتا ہے کہ چار لاکھ لڑائی کے قابل لوگ اس قوم میں تھے۔ جب ان قوموں کے کھنڈرات اٹھائے گئے تو 20000 قبریں وہاں سے ایجاد ہوئیں۔ مصر سے شام تک آنے کا صرف یہی راستہ تھا۔ قریش بھی انہیں راستوں سے گذرتے تھے۔

اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یہ لوگ وہاں موجود تھے۔ اور یہاں جو اصحاب الایکہ کی بات ہے جنگل میں بسنے والے، درختوں کا جھنڈ کہتے ہیں۔ ترتیب کے اعتبار سے بھی قوم لوط، شعیبؑ کے بعد آئی۔ اور شہر مدین حضرت ابراہیمؑ کے تیسرے بیٹے 'مِدیان' کے نام سے مدین کہلایا۔ اور نبی بھی وہ جو خطیب الانبیاء، جس کو اتنا اچھا بولنا آتا تھا۔ اچھی باتیں ہر ایک کو فائدہ نہیں دیتیں۔ سورہ شعراء کی آیت 176 میں اس قوم کا یہ نام دوبارہ آیا۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۶﴾

اور بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

ان کا ظلم ناپ تول میں کمی تھا۔ لفظ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ کو بھی سمجھ لیجئے۔ یہ لفظ اُمم سے ہے ء، م، م سے ہے۔ ارادہ کرنا، امام کا مطلب ہوتا ہے جس کو دیکھ کر ارادہ کیا جائے۔ امام کو دیکھیں کہ اگر وہ رکوع کر رہا ہے سجدہ کر رہا ہے تو آپ بھی وہی کریں گے۔ ماں کو بھی اُمم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسی کی طرف دیکھ کر سب ارادہ کرتے ہیں۔ امام ٹھیک کرے گا تو لوگ ٹھیک کریں گے اور غلط کرے گا تو لوگ غلط کریں گے۔ سڑک کو اس لئے امام کہا گیا کہ وہ بھی ہمیں راستہ دکھاتی ہے۔ اس سڑک کے اوپر سائنز کی رہنمائی میں ہم سفر کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ انکو کھنڈر بنا دیا گیا۔ آج ان کی یاد میں زنا خانے، کسینوز بنائے ہوئے ہیں۔ آپ کبھی کسی کو قبرستان میں جا کے فحاشی کا کام کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ تو یہ کھنڈرات بھی قبرستان ہیں۔ یہ قوموں کی تباہی کی علامت بن جاتی ہے۔ لیکن جب دل مردہ ہو جاتے ہیں تو حق اور باطل کا فرق مٹ جاتا ہے۔

وَلَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ ﴿۸۰﴾ حجر کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں ۔

یہ اس سورت کا نام ہے۔ اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہے۔ قوم ثمود حجر کے علاقے میں آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح مبعوث کئے گئے۔ جیسے حضرت ہود کی قوم میں قومِ عاد کا ذکر ہے۔ ہم سورہ احقاف میں پڑھیں گے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ قوم عاد کا دوسرا نام الاحقاف ہے۔ یہاں سورہ الحجر قوم ثمود کا دوسرا نام ہے۔ یہ اپنے وقت کی بگڑی ہوئی قومیں تھیں۔ لفظ مُرۡسَلِيۡنَ ۙ سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کو تو جھٹلایا لیکن پہلے انبیاء کو بھی جھٹلا دیا۔

وَاٰتَيۡنٰهُمۡ اٰيٰتِنَا فَكَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۙ ﴿۸۱﴾ ہم نے اپنی آیات اُن کے پاس بھیجیں، اپنی نشانیاں اُن کو دکھائیں، مگر وہ سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے ۔

ان کو جو اونٹنی نشانی ملی تھی وہ بہت چھوٹی سی نشانی تھی۔ لیکن اللہ کی آیات 7 قسم کی ہوتی ہیں جن کو لوگ مختلف اوقات میں جھٹلاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے قولی نشانیوں کو بھی جھٹلایا کائناتی نشانیوں کو بھی جھٹلایا اور اللہ سے مانگی ہوئی ناقا کو بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالی کہتے ہیں لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو نشانیاں مل جاتی ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ لفظ مُعۡرِضِیۡنَ، معرض کی جمع ہے۔ مفعل کا وزن ہے۔ منہ پھیرنے والا۔

وَ کَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۸۲﴾ وہ پہاڑ تراش تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے ۔

ان کا کام یہ تھا کہ پہاڑوں کو تراشتے اور اُس میں گھر بناتے تھے۔ یہ گھر آج بھی موجود ہیں۔ لیکن جب انکی پکڑ آئی تو،

فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُصۡبِحِیۡنَ ۙ﴿۸۳﴾ آخر کار ایک زبردست دھماکے نے اُن کو صبح ہوتے آلیا ۔

فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ؕ﴿۸۴﴾ اور اُن کی کمائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔

خوشحال، کھاتی پیتی قوم تھی۔ مال اور اسباب تھے لیکن انکو اللہ سے بچانے کے لیے ان مال اسباب کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب لوگ اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ جیتے ہیں تو ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔ انکو اصحاب الحجر اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہاں پہاڑ تھے۔ حجر پتھر کو کہتے ہیں۔ پتھروں والا علاقہ۔ یہ قوم پہاڑی علاقے میں آباد تھی۔ ایک وادی تھی جو چاروں طرف سے پہاڑوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سورۃ شعراء آیت 141 میں بھی انکا ذکر آیا ہے۔ قومِ حجر تعمیرات میں ماہر تھی۔ بڑی بڑی عمارات بناتے تھے۔

يَنْحِتُوْنَ، نَحَتَ سے ہے، ماضی استمراری ہے۔ن، ح، ت، تراشنا۔ بے فکر لوگ تھے۔ اٰمِنِيْنَ بے فکر، مُراد ہے لاپروہ لوگ تھے۔ کھاو، پیئو، زندگی میں صرف مزے کرو۔ جب اللہ کی پکڑ آئی تو الصَّيْحَةُ بس ایک چیخ آئی اور ان کے گھر قبرستانوں میں بدل گئے۔ یہ تیسری قوم ہے جو چیخ سے ہلاک ہوئی۔ چیخ نہ نظر آتی ہے، کان پھٹتے ہی جارہے ہیں۔ کتنی اذیت ناک موت ہو گی۔ چیخ کی آواز سے سر پھٹنے لگتا ہے۔ یہ اصل میں اللہ کی قدرت کا اظہار تھا۔ اللہ جسے جیسے چاہے ویسے ہی مار سکتا ہے۔ صُبح کا وقت انکے لیے عذاب بن گیا۔ کسی ملک کی قوت کا اظہار اُس ملک کی عمارات اور سڑکوں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک کے گھر اور سڑکیں بہت اچھی حالت میں ہوں تو آپ کہیں گے کہ یہ کتنی ترقی یافتہ قوم ہے۔ اس قوم کے گھر اتنے بڑے بڑے تھے۔ اتنے پُر آسائش ماحول میں رہنے والے بھی نہیں بچے۔ ایک چیخ سے مارے گئے۔ آگے تیسویں پارے میں آپ پڑھیں گے كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا۔ جب اُس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی بپھر کر اٹھا۔ تو اللہ کے رسول نے اُن لوگوں سے کہا کہ خبردار، اللہ کی اونٹنی کو (ہاتھ نہ لگانا) اور اُس کے پانی پینے (میں مانع نہ ہونا)۔ مگر انہوں نے اُس کی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا آخر کار اُن کے گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند خاک کر دیا۔ اُن کے رب نے سب تباہ کر دیا۔ آسمان سے چھوتی ہوئی عمارات زمین بوس ہو گئیں۔ زمین کو برابر کر دیا جیسے بلڈوزر پھرا ہو۔

بعض دفعہ ہم بڑے بڑے گھر بنا کر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ آج ٹؤر ایزم کا دور ہے۔لوگ ایسی ایسی عمارات بناتے ہیں کہ جنہیں دیکھنے کے لیے لوگ دوسرے ملکوں سے آئیں تو اللہ کہتا ہے فَمَآ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ؕ اُنکی کمائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔

یہ ماضی کی مسلمان قومیں تھیں، یہ بھی نہ بچیں۔ اگر آج بھی مسلمانوں پر کوئی پکڑ آئی تو کوئی دنیاوی تعلیم اُن کو نہیں بچا سکے گی۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اللہ کافر قوموں کو نہیں پکڑتا۔لوگ مدتوں سے کسینوز بنا کے بیٹھے ہیں لیکن اللہ کی پکڑ نہیں آئی۔ اللہ کی پکڑ صرف مسلمان ملکوں میں آتی ہے جہاں لوگ نام کے مسلمان ہوں اور کام سارے وہ کریں جو اللہ کا ناراض کرنے والے ہوں۔

یہاں پہ قوموں کا تذکرہ پورا ہوا۔ سورۃ کی آخری آیات ہیں جس میں ہمیں نبیؐ کے ناطے سے بہت خوبصورت پیغام دیا جارہا ہے۔ جن انبیاء اکرام کے نام پہ سورتیں چلتی ہیں تو پھر آخری پورے رکوع میں نبیؐ کو خطاب کیا جاتا ہے۔ آپؐ کو بتایا جاتا ہے کہ کس طرح ان ماضی کے لوگوں نے کام کیئے، اُنکا یہ انجام ہوا تو باقی لوگوں کا کیا ہو گا۔ ان سب باتوں کو سُنتے ہوئے ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔پندرہ آیات ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ دین کی دعوت کے اعتبار سے یہ بہترین رکوع ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ کس طرح کس موضوع کو چھیڑنا ہے۔ جو اُس وقت کے حالات تھے اُنہی کو سامنے رکھا جارہا ہے۔لوگ دین کے کام کو ایک بیکار کا کام سمجھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ اے نبیؐ آپ غم نہ کریں، انکو پتا ہی نہیں ہے کہ دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد کیا ہے۔ یہ تو اس دنیا میں مست ہو گئے اور آپؐ نے آ کے انہیں ایسی زندگی کی دعوت دے دی جس کی انہیں سمجھ ہی نہیں آتی۔ آپؐ انہیں پیغام دے دیں اور وہ کیا؛

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ

﴿۸۵﴾ ہم نے زمین اور آسمان کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے، اور فیصلے کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے، پس اے محمدؐ، تم (اِن لوگوں کی بیہودگیوں پر) شریفانہ درگزر سے کام لو۔

ہندوؤں میں یہ تصور ہے کی زندگی رام نے کھیلنے کے لئے بنائی ہے۔ ان کا ایک معروف تہوار بھی ہوتا ہے جس کا نام "رام کی لیلہ" ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ان کا بھگوان ایک دفعہ فارغ بیٹھا ہوا تھا، کرنے کے لئے کوئی کام نہیں تھا تو اس نے اپنی میل سے اپنی بیوی بنائی، وہ دونوں خوش رہنے لگے۔ پھر انہوں نے یہ دنیا بنائی۔ جس دن رام کا اس دنیا سے کھیل کے دل بھر جائے گا اس دن وہ ایک لات مارے گا اور دنیا ختم ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالی کہتے ہیں یہ دنیا ایسی نہیں ہے۔ یہ کوئی سٹیج ڈرامہ نہیں ہے کہ جب کردار بدل گئے اور اسٹیج لپیٹ کے بند کر دیا۔ یہ کائنات ایک بامقصد اور ایک بامعنی چیز ہے۔ یہ وہی بات ہے جو سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں آپ تہجد میں پڑھتے ہوں گے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ اے ہمارے رب تو نے یہ کائنات بیکار پیدا نہیں کی تیری ذات اس سے بہت اعلی اور پاک ہے۔ بس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔

یہ وہ پہلا نقطہ ہے جو تبلیغ کے دوران لوگوں کو سمجھانا ہوتا ہے، "زندگی کا مقصد"۔ غیر مسلموں کو تو یہ بتانا چاہیے لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کو بھی یہ بات بتانے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی بھی زندگی میں اتنا فَن آ گیا، اتنی کشش آ گئی کہ وہ اپنا مقصد بھول گیا۔ یہ قرآن، اس کی دعوت یہ

سب کچھ آپ کو تب ہی مزے کا لگے گا جب آپ اسے لینا چاہیں گے۔ اگر چار دن آپ اس دنیا میں کھو کے جینا چاہیں، تو آپ دیکھیں گے کہ یہ راستہ کتنا مشکل ہو جائے گا۔ زندگی میں سب کچھ ہو گا غم بھی آئیں گے، خوشیاں بھی آئیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بیویاں بھی تھی، بیٹیاں بھی تھیں۔ سارے معاملات تھے لیکن یہ سب ساتھ ساتھ اس لیے چلتا رہا کہ انہوں نے کبھی اپنا مقصدِ دین نہیں چھوڑا۔ اور ان چیزوں کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیا۔ مقصد حیات سے کسی بھی چیز کو اوپر طاری کر لیں گے، تو مقصد بھول جائیں گے۔ آپ سب کے یہاں آنے کا ایک ہی مقصد ہے ، "ہدایت لینا"۔ جب مقصد ہدایت تھا، تو کچھ طریقہ ضابطے مانتے ہوئے آپ اس کو لیتے رہیں گے۔ جب آپ مقصد کو سامنے رکھیں گے تو یہاں آنے کا بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن جس دن مقصد بدل گیا، اس دن آپ کے سوچنے کا انداز ہر چیز مختلف ہو جائے گی۔ آپ سیکھنے کی بجائے صرف حاضری لگوانے کے لئے آئیں گے۔ ہدایت دور ہو جائے گی، باقی چیزیں اوپر ہو جائیں گی۔

یہ بنیادی آیت ہے، کہ زندگی کا مقصد سامنے رکھ کر جینے والوں کا لائف سٹائل اور اس مقصد کو پیچھے ڈالنے والوں کا لائف سٹائل مختلف ہوتا ہے۔ اللہ کو میری یا اس دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ اپنے نبی کو تسلیاں دیتے ہیں کہ آپؐ غم نہ کریں۔ آج کے حالات میں وہ بہت مشکل دور تھا جب یہ آیتیں اُتر رہی تھیں، اللہ اپنے نبی کو تسلی دے رہے ہیں کہ بظاہر آپ کو ایسے لگ رہا ہے کہ باطل غالب ہو رہا ہے لیکن گھبرائیں نہیں۔ یہ عارضی کیفیت ہے یہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ کائنات کا نظام جس چیز پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو حق کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ باطل کی مدد کے لئے نہیں۔ کائنات کی فطرت حق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے نہ کہ باطل کے ساتھ۔ یہاں اگر چار دن کی زندگی ہے بھی تو

حق کو ہی فتح ہو گی۔ بس انکو دوسری بات کہہ دیجئے وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ یقیناً قیامت تو آکر رہے گی۔ پہلی بات کہ کائنات حق کے ساتھ ہے اور دوسرا بنیادی رکن یہ ہے کہ قیامت آنی ہے۔ کیونکہ حق کا یہی تقاضا ہے کہ جو اچھا کام کرے اس کو اس کا بدلہ ملے اور جو برا کام کرے اس کو اس کی سزا ملے۔ جب سزا ملتی ہے تو پھر انسان کی چیخیں نکلتی ہیں۔ لیکن دماغ نہیں سمجھتا کہ کس چیز کی سزا مل رہی ہے۔ اس وقت پھر ہم کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔

تو کہا جارہا ہے کہ قیامت کا دن حق ہے۔ قیامت کا آنا اللہ تعالی کی طرف سے عین حق ہے۔ بس یہ چیز لوگوں کے ذہن میں ڈال دو۔ کتنے دن موج مستی کروگے۔ قیامت آنے سے پہلے دنیا میں ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی قیامت ضرور آتی ہے۔ ایک جھٹکا ضرور لگتا ہے، جس میں اللہ ہمیں ہمارے اعمال کا مزہ چکھتا ہے۔ اگر عقل اور فہم ہو تو انسان سمجھ جاتا ہے کہ یہ میرا ہی قصور ہے اور اگر عقل سمجھ نا ہو تو ڈیپریشن میں اور ہی نماز چھوڑ دیتا ہے، دعائیں مانگنا چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ کہتے ہیں چھوڑتے ہو تو چھوڑ دو، اے نبی ایسے لوگوں کو پیچھے کر دیں۔ مکہ والوں کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ ہر وقت اللہ اللہ کرتے ہیں اور انکے اپنے گھروں میں فاقے ہیں۔ یہ اللہ کی باتیں کر رہے ہیں اور ان کی اپنے بیٹے فوت ہو رہے ہیں۔ تو اللہ ایک اصول بتا رہے ہیں کہ آپ فکر نہ کریں۔ اللہ تعالی مسلمانوں کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں تسلی دے رہے ہیں کہ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ یہ بالکل آخری وقت ہے اس کے بعد ایک دم ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ بس خوبصورتی کے ساتھ ان سے درگزر کرتے رہیں۔ بہت ہی خوبصورت بات ہے، اپنے نبیؐ کو بتا رہے ہیں کہ یہ مجرم ہم سے بچ نہیں سکیں گے، قیامت آئے گی۔ یہ اپنے کیفر کردار تک پہنچیں گے۔ لیکن ابھی ہم نے انہیں ڈھیل دی ہوئی ہے۔ آپ ان کی

کڑوی باتیں سن لیں، دشمنی والی کیفیات کی باتیں سن کر خاموش ہو جائیں۔ خوبصورتی سے آپ صرفِ نظر کرتے رہیں۔ اس سے آپ کے درجے بلند ہونگے اور اللہ کی مدد آپ کی ساتھ آئے گی۔

آج کا سبق پڑھتے ہوئے تصور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے آرہے ہیں کہ لوگ انہیں دکھ دے رہے ہیں اور اللہ کے نبی خاموشی سے فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ کر رہے ہیں۔ صَّفْح کی تکرار دِکھ رہی ہے۔ ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ لصَّفْح جانے دو، یعنی کسی بات کو اس طرح جانے دینا کہ کسی کو اس کا احساس ہی نہ ہو۔ کس طرح سے لوگ نبیؐ کو ستا رہے تھے اور نبیؐ اُن کی ان باتوں سے درگزر کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان ساری چیزوں سے دور رکھ رہے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ کو اس راستے میں بہت زیادہ ستایا گیا۔ اس کی مثالیں ہم سیرت میں پڑھ چکے ہیں۔ ہمارا تو وہ اخلاق ہی نہیں ہے۔ ہم تو ابھی اپنی ذات کے حصار سے ہی نہیں نکلے۔ پچھلی آیت کے ساتھ اس کا ربط ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ آسمان وزمین کو بامقصد پیدا کر کے یہ بتادیا کہ تم اپنی مرضی سے اس دنیا میں زندگی نہیں گزار سکتے۔

ایک زندگی رَب چاہی ہوتی ہے اور ایک مَن چاہی ہوتی ہے۔ پوری کائنات رَب چاہی زندگی بسر کر رہی ہے۔ سورج، چاند، پہاڑ سب اللہ کی مرضی کے تابع ہیں تو انسان اپنی مرضی کرے۔ سورۃ قیامت میں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ انسان یہ سوچتا ہے کہ ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ سُدًى عربی زبان میں ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جو کھُلا چھوڑ دیا جائے۔ جو لوگ اپنی خواہشات پہ جینا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دو۔

اللہ نے سورۃ کے شروع میں ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنے کو کہا کہ اے نبیؐ اُن کو چھوڑ دیں۔ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا یہ کھائیں، پئیں، بہت جلد انہیں پتا چل جائے گا۔ لیکن مومن کا یہ رویہ

نہیں ہوتا۔ پیچھے قومِ حجر اور اصحابِ لوط کی بات ہوئی۔ دونوں کو بتادیا کہ اُنہیں اسی بات کی سزا ملی کہ وہ اپنی مرضی کرنا چاہتے تھے۔ انسان کے لیے اپنی مرضی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی خوشی وہی ہے جو اللہ کی خوشی کے ساتھ ملے۔ تو کہا کہ لوگوں کے ساتھ درگزر کرو۔ کیوں کہ درگزر کرنے سے لوگ دین کے قریب ہوتے ہیں۔

آج داعیِ دین کے لیے یہ ضروری ہے، لیکن دنیا نے دنیاوی فائدے کے لیے مصنوعی اخلاق کو اپنالیا۔ ائیرپورٹ پہ بورڈنگ پاس ملنے کے بعد جب آپ دکانوں کے پاس سے گزریں تو دکاندار مُسکراہٹ سے آپکو مائل کرتے ہیں۔ یہ بازاری اخلاق ہے۔ لیکن نبیؐ کا تو مقام بہت بلند تھا۔ لوگ نقلی پراڈکٹ بیچنے کے لیے اخلاق کو اپنالیتے ہیں تو نبیؐ کے پاس تو بہترین پروڈکٹ تھا۔ آج میں اور آپ اس قرآن کے حامل ہیں۔ اگر لوگ ہماری بات نہیں سُنتے تو اس میں ہمارا زیادہ قصور ہے۔

ہمیں اپنا کردار ایسا بنانا ہے کہ کب کہاں کیسے بات کرنی ہے، کب کسی کو تحفہ دینا ہے، کب کسی سے پیار سے بات کرنی ہے۔ اللہ کے نبیؐ کی یہ چیزیں تھیں جس نے دشمن کو دوست بنادیا۔